© rasailojaraid.com

نظام زکوٰۃ اور موجودہ معاشی مسائل کا حل

مسئلہ بے کاری اور اس کا حل

محمد یوسف گورایہ

پچھلے مضمون میں ہم نے معاشرتی و اقتصادی تجزیے کے بعد مصارف زکوٰۃ کو جدید حالات کی روشنی میں بے کاری، معاشی غلامی، جہالت اور بیماری، چار مدات میں بیان کیا تھا۔ اگرچہ اپنی ہلاکت اور تباہی کے اعتبار سے چاروں مضرت رساں اور ہلاکت خیز ہیں اور چاروں کا انسداد نہایت ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود اگر معاملات میں ترجیح (PRIORITY) کے اصول کو اپنایا جائے تو مسائل کے حل میں زیادہ آ… پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک اولیت اور اہمیت بیکاری کے مسئلہ کو دی جانی چاہئیے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ جو لوگ معاشی غلامی، جہالت یا بیماری میں مبتلا ہیں اور کسی نہ کسی طور پر زندہ ہیں ان پر ایسے لوگوں کو بہرحال ترجیح دی جائے گی جنہیں آنا بھی میسر نہیں کہ وہ زندہ ہی رہ سکیں، چونکہ زندگی کے وجود … ہی باقی خواہشات کی تکمیل کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لئے بقائے حیات کو دوسری تمام ضروریات و خواہشات ترجیح دی جائے گی۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی اس اہمیت کو نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔ انہ… قتل نفساً بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ؕ ومن احیاھا فکانما… الناس جمیعاً ؕ (۵ : ۳۲)

اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں دو جرم بیان ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یا دونوں کے ارتکاب کا نام … الناس جمیعاً "پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ پہلا جرم ہے "قتل نفس بغیر نفس" اور دوسرا جرم ہے "فساد فی الارض"۔ قتل نفس سے مراد ہے کسی انسان کو کسی آلے اور ہتھیار وغیرہ سے اس طرح مارنا کہ … کی ضرب سے فوری طور پر ہلاک ہو جائے یا بعد میں اس کی ضرب یا زخم اس کی موت کا سبب بنے۔ اور فساد فی الارض سے مراد کسی فرد یا گروہ کا ایسے اقتصادی و معاشی اور دوسرے حالات پیدا کرنا ہے جو دوسرے افراد یا جماعت…

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا قوموں کی ہلاکت کا باعث بنیں، گویا کسی فرد کا کسی فرد کو باقاعدہ ایک دم قتل کر دینا یا اس کی ہلاکت کے لئے ایسے معاشی و اقتصادی اسباب پیدا کر دینا کہ وہ ان کی نذر ہو جائے، قرآنی الفاظ میں "قتل الناس جمیعاً" پوری انسانیت کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ بے کاری ایک ایسا مسئلہ ہے جو انسان کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے کیونکہ جب تک کسی شخص کو روزگار ہی میسّر نہ ہو تو وہ اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو زندہ کیسے رکھے گا؟ اس لئے وہ افراد یا گروہ جو ملک میں بے کاری کا مسئلہ پیدا کرتے ہیں یا دولت اور ذرائع آمدن کا اس طرح استحصال کرتے ہیں کہ معاشرے میں بے کاری پیدا ہو، جو نتیجتًہ بے کار انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنے، ملک و معاشرے کے ایسے افراد یا گروہ قرآنی حکم کے مطابق قاتل انسانیت ہیں۔ مثلاً دورِ جدید میں جاگیر دار، کارخانہ دار اور سرمایہ دار، جس طرح اپنی زمین، کارخانے اور انڈسٹری اور دولت و سرمائے کے بے جا تصرّف سے دولت اور ذرائع دولت پر قابض ہو کر دولت اور ذرائع دولت کو اس چکر میں ڈال رکھتا ہے کہ دولت ہر طرف سے گھوم پھر کر جاگیر داروں، کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے پاس ہی جمع ہوتی رہے، اور اس طرح ملک کا ایک اقلیتی طبقہ، ملک کے اکثریتی عوام کو دولت اور ذرائع دولت سے محروم کر کے ان کے لئے بے کاری کا مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم جو انسانیت کی رہنمائی کے لئے جامع و ہمہ گیر اصولوں کا مجموعہ ہے، دولت اور ذرائع دولت کے بے جا تصرف پر بڑے اعجاز کے ساتھ یوں ہدایت دیتا ہے کہ اسلامی نظام معیشت میں دولت و ذرائع دولت کو معاشرے کی اکثریت کو چھوڑ کر ایک مخصوص اقلیت کے دستِ تصرف میں نہیں دیا جا سکتا، کہ وہ دولت کو اپنے ہی گرد گھماتے رہیں کی لا یکون دولۃً بین الاغنیاء منکم (۵۹ : ۷) تاکہ دولت محض تمہارے سرمایہ داروں کی بن کر نہ رہ جائے۔ اور اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ خداوند تعالیٰ کی ان واضح اور صاف ہدایات کے باوجود جاگیر دار، صنعت کار اور سرمایہ دار دولت خود ہی جمع کرتے جائیں اور ذرائع پیداوار پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں تو قرآن مجید نے ایک دوسرے حکم کے تحت ایسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے بھی واضح الفاظ میں رہنمائی فرمائی ہے جکم ہوا: وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم (معارج : ۲۵) جاگیر داروں کی جاگیروں، کارخانہ داروں کی صنعت اور کارخانہ دار و سرمایہ داروں کی دولت اور سرمائے میں ان لوگوں کا باقاعدہ قانونی مقررہ حصہ موجود ہے جنہیں ان جاگیر داروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے بذریعہ استحصالِ دولت معاشی و اقتصادی طور پر بے کار اور محروم کر دیا ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم کی اس آیت نے اسلامی ریاست کو یہ اختیار دیا ہے کہ جب مسلمان جاگیر دار، صنعت کار اور سرمایہ دار اللہ تعالیٰ کے اس کلمہ کو پس پشت ڈال دیں کہ دولت تمہارے سرمایہ داروں کی بن کر نہ رہ جائے (کی لا یکون دولۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاغنیاء منکم) توحکومت بالجبر جاگیرداروں کی جاگیریں، صنعت کاروں کی صنعتیں اور سرمایہ داروں کا سرمایہ اس حد تک ضبط کرلے جس حد تک وہ ملک سے بے کاری و محرومی دُور کرنے میں مدد دے سکے اور آئندہ بے کاری اور محرومی پیدا نہ ہونے دے۔" حق معلوم" سے ایسا کم از کم معاشی و اقتصادی تحفظ مراد ہے جس سے ہر زمانے میں انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری ہوسکیں۔ چنانچہ " حق معلوم" بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا یہ تصور قرآن مجید نے انسان کو اس وقت دیا جبکہ جدید معاشی نظریات کی ابھی تخم ریزی بھی نہیں ہوئی تھی۔

ہم اوپر بیان کر رہے تھے کہ جو افراد یا گروہ استحصالِ دولت سے ایسے حالات پیدا کر دیں کہ ملک و معاشرے میں بے کاری و محرومی عام ہو، جو عامۃ المسلمین کی ہلاکت کا سبب بنے تو ایسے افراد یا گروہ" فساد فی الارض" کے جرم کے مرتکب ہونے کی وجہ سے قرآنی حکم کے مطابق پوری انسانیت کے قتل کے مرتکب قرار پائیں گے، اگرچہ" فساد فی الارض" اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، لیکن دورِ جدید میں اس کی قبیح ترین صورت ملک میں بے کاری اور محرومی پیدا کرنا ہے، جس سے معاشرے میں زبردست بحران پیدا ہوتا ہے اور معاشی عدم توازن کی وجہ سے زمین پر زبردست فساد پیدا ہو جاتا ہے، موجودہ مارشل لاء کے نفاذ کے اسباب پر غور کیا جائے تو اس سے بھی معلوم ہوگا کہ وہ حالات جنہوں نے ـــــ مزدور اور معاشی طور پر محروم لوگوں کو ملک میں وسیع تر پیمانے پر فسادات پر ابھارا وہ اسی معاشی و اقتصادی ناہمواری کا نتیجہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس وقت کا سب سے بڑا " فساد فی الارض" بے کاری اور محرومی ہے۔ خود قرآن حکیم نے " فساد فی الارض" کے مختلف اسباب و وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے بے کاری اور محرومی کو سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے۔ سورۃ الفجر میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے ظلم و استبداد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فاکثروا فیھا الفساد (۸۹ : ۱۲) انھوں نے ملک میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ اور فرعون اور اس کے حواریوں کے سلسلے میں" فساد فی الارض" کا سب سے بڑا مظہر خوش حالی، جاہ و عظمت اور حشمت و جبروت تھا اور اسی معاشی و اقتصادی خوش حالی نے فرعون کو یہاں تک کہنے کی ہمت دلائی: انا ربکم الاعلیٰ (۷۹ : ۲۴) میں ہوں تمہارا سب سے اعلیٰ رب۔ ایک دوسری جگہ قرآن حکیم نے اس سے بھی واضح الفاظ میں" فساد فی الارض" کو دولت اور ذرائع دولت کے استحصال کا نام دیا۔ فرعون نے مصر کے ایک مخصوص طبقے کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے پورے ملک کی دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس طرح ملک کی کثیر آبادی کو بے کاری و محرومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ اس کثیر آبادی کے جو دن رات فرعون کی دولت میں اضافہ کرنے میں مشغول اور خود معاشی طور پر تباہ حال تھی: بنی اسرائیل بھی تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے حضرت موسیٰؑ اٹھے، حضرت موسیٰؑ اور اپنا تقابل کرتے ہوئے فرعون نے کہا: ونادیٰ فرعون فی قومہ قال یٰقوم الیس لی ملک مصر وھٰذہ الانھٰر تجری من تحتی، افلا تبصرون ٥ ام انا خیر من ھٰذا الذی ھو مھین ط ولا یکاد یبین ٥ فلولا اُلقی علیہ اسورۃ من ذھب او جاء معہ الملئکۃ مقترنین ٥ فاستخف قومہ فاطاعوہ انھم کانوا قوماً فاسقین ٥ (۴۳: ۵۰-۵۲)" اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں، بولا: اے میری قوم: بھلا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں اور میرے محلات کے نیچے نہریں جاری نہیں، کیا تم دیکھتے نہیں، بھلا میں اس شخص سے بہتر نہیں جو (معاشی طور پر) ذلیل وحقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا، (اگر واقعی یہ کوئی باعزت انسان ہوتا) تو پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ آپڑے یا اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر آتے۔"

چنانچہ اس آیت نے فساد فی الارض کی پوری پوری وضاحت کر دی اور وہ یہ کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے پورے ملک کی دولت و ذرائع دولت پر قابض ہو کر ملک کی کثیر آبادی کو جسمانی، معاشی طور پر غلام بنا رکھا تھا اور اس طرح مصر کے نظامِ معیشت میں زبردست بحران پیدا کر کے ایک اقلیتی طبقہ اکثریتی آبادی پر معاشی طور پر مسلط ہو گیا تھا۔ قرآن نے اسی معاشی ناہمواری اور اقتصادی عدم توازن کو فساد فی الارض قرار دیا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے بیان کے ضمن میں فرمایا: وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون (۲۷: ۴۸)" اور اس شہر میں نو شخص تھے جنہوں نے ملک میں فساد برپا کر رکھا تھا اور وہ اصلاح کی طرف مائل نہ تھے۔"

یہ نو اشخاص جن کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس معاشرے کی دولت اور ذرائع آمدن پر اجارہ داری جما رکھی تھی اور آپس کے گٹھ جوڑ سے باقی پوری آبادی کو اپنا دستِ نگر بنا رکھا تھا۔ مفسرین نے ان نو اشخاص کی نشان دہی آنحضرت صلعم کے ان نو مخالفین سے کی ہے جنہوں نے پورے مکہ کی معیشت پر قبضہ جما رکھا تھا اور وہاں کے باقی لوگوں کو بے کاری اور محرومی پر مجبور کر رکھا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں:-

ابوجہل، مطعم بن عدی، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، نضر بن حرث، عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب۔ تاریخ اسلام اور سیرت رسولؐ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح یہ نو افراد مکے کی معیشت پر غالب تھے اور ان کے غلبے اور اجارہ داری کی وجہ سے مکے کی معیشت میں وہ زبردست بحران پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ایک کثیر آبادی، سائلین، محرومین، یتامیٰ و مساکین کی پیدا ہو گئی تھی، جن کا کوئی پرسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حال نہ تھا اور جن پر رضاکارانہ اور بطور فریضہ قرآن حکیم نے خرچ کرنے کی بار بار تلقین کی ہے اگویا اس آیت نے بھی "فساد فی الارض" کی بدترین صورت بے کاری و محرومی اور معاشی غلامی بیان کی ہے۔

"فساد فی الارض" کی یہ تفسیر کہ اس سے مراد بے کاری، محرومی اور معاشی غلامی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ بھی اس کا بین ثبوت ہے۔ سورۃ اعراف میں حضرت شعیبؑ کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ کی قوم کے اس طبقے کا ذکر کیا گیا ہے جو "فساد فی الارض" میں مبتلا تھا اور پھر "فساد فی الارض" کی وضاحت یوں کی کہ وہ طبقہ معاشی استحصال میں مصروف تھا اور اس کی بدترین صورت یہ تھی کہ وہ مزدور کا حق پورا ادا نہیں کرتے تھے اور محنت کش طبقے کے حقوق غصب کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتے تھے، اور اس طرح انھوں نے معاشرے کی معیشت کو اس چکر میں ڈال رکھا تھا کہ دولت گھوم پھر کر انہیں کے ہاں آجاتی تھی اور عوام الناس ہمیشہ بے کار، محروم اور معاشی غلام رہتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ پس پورے کرو ماپ اور تول اور لوگوں کو ان کے حقوق گھٹا کر نہ دو اور فساد نہ کرو ملک میں جبکہ ملک میں خیر واصلاح قائم ہو چکا ہو۔ اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ الکیل والمیزان اور ولا تبخسوا الناس اشیاءھم مفہوم کے مجموعے کا نام فساد فی الارض ہے، اور یہ تینوں چیزیں ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ الکیل والمیزان سے مراد محض ماپ تول کے پیمانے نہیں بلکہ وسیع تر معنوں میں اس سے حقوق العباد کی پوری پوری ادائیگی ہے۔ یعنی جو لوگ دولت و ذرائع دولت پر اجارہ داری جما کر عوام الناس کو بے کار اور محروم کر دیتے ہیں، وہ الکیل والمیزان کو پورا نہیں کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں حکومت قانون و حقوق کے پیمانے استعمال میں لا کر بے کار و محروم لوگوں کی داد رسی کرے گی اور اقلیتی اجارہ دار طبقہ سے غصب شدہ حقوق لے کر ان کے مستحقین بے کار و محروم لوگوں میں تقسیم کر دے گی۔ اگرچہ "فساد فی الارض" سے مراد بے کاری، محرومی اور معاشی غلامی کے اثبات پر بے شمار آیات موجود ہیں، لیکن ہمارے خیال میں مندرجہ بالا آیات اس کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گی۔ ہم نے اوپر بیان کیا کہ "فساد فی الارض" اپنے معنیٰ و مفہوم میں عام ہے لیکن اس کی قبیح ترین صورت تاریخ عالم اور موجودہ دور میں بے کاری، محرومی اور معاشی غلامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ المائدہ کی مندرجہ بالا آیت میں بے کاری اور محرومی کا مسئلہ پیدا کرنے والوں کو پوری انسانیت کا قاتل قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ کا آخری حصہ اس مسئلہ کی وضاحت میں سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے : ومن احیاھا فکانّما احیا الناس جمیعاً ہ (۵ : ۳۲)۔ (اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا اس نے تمام انسانوں کو) اس آیت سے عام طور پر انسانی جان کو قتل و غارت سے محفوظ رکھنا مراد لی جاتی ہے، لیکن ہمارے خیال میں قرآن حکیم کی وسیع تعلیمات کو یوں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس آیت سے مراد ہر طرح سے انسانی جان کا تحفظ مراد ہے۔ قتل نفس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں، جن میں سے انسانوں کو معاشی طور پر بیکار اور محروم کر دینا بد ترین صورت ہے، اس لئے کہ اگر کسی کو فوری طور پر قتل کر دیا جائے، جو اگرچہ انتہائی ظلم ہے لیکن کسی شخص کو معاشی طور پر بے کار اور تباہ حال کر دینا پہلی قسم کے قتلِ نفس سے بد ترین اور قبیح ترین ظلم ہے کیونکہ ایسی صورت میں انسان کو اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ نہ زندہ ہے نہ مردہ۔ اور موت و حیات کی یہ کشمکش موت و حیات سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ " ومن احیاھا " سے مراد نہ صرف انسانوں کو قتل و غارت گری سے محفوظ رکھنا ہے بلکہ انہیں معاشی و اقتصادی طور پر خود کفیل بنانا بھی مراد ہے تاکہ وہ زندہ رہیں تو باعزت انسانوں کی طرح زندہ رہیں۔

قرآن حکیم کی اس آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ جس نظام اور جس معاشرے نے اپنے ملک کے بے کار، بے روزگار اور محروم لوگوں کو زندہ رکھنے میں مدد دی اور ان کے لئے روزگار مہیا کئے اور انہیں معاشی و اقتصادی طور پر خود کفیل بنایا، تو گویا انہوں نے پوری انسانیت کو حیات بخش دی اور پوری انسانیت کو ہلاکت و تباہی سے بچا لیا (فکانّما احیا الناس جمیعاً)۔ لہذا جو لوگ استحصالِ دولت کے ذریعے بے کاری، محرومی اور معاشی غلامی پیدا کرتے ہیں وہ قرآنی حکم کے مطابق انسانیت کے قاتل قرار دیئے جائیں گے اور جو نظام، معاشرہ اور حکومت بے کاری اور محرومی دور کر کے سائلین و محرومین کے لئے روزگار مہیا کرتے ہیں وہ تمام انسانیت کو زندہ رکھنے کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

مسئلہ بے کاری کو عام طور پر شہری سطح پر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں، یہ شاید اس لئے ہوتا ہے کہ روزگار دینے والے شہروں میں ہوتے ہیں اور یہ کہ جو لوگ شہر میں بے کاری کا شکار ہو جاتے ہیں ان کے منہ میں زبان ہوتی ہے۔ ان کی آواز اخبارات، اجتماعات، تقاریر وغیرہ کے ذریعے کہیں نہ کہیں سنائی دے جاتی ہے، بڑے بڑے ادیب و مصنف لوگ ان میں رہتے ہیں اور ان کے مسائل پر کتابیں لکھتے ہیں لیکن اس مسلّمہ حقیقت کو مسئلہ بے کاری کے سلسلہ میں بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ہمارے ملک کی اسّی فی صد سے زیادہ آبادی دیہات میں رہتی ہے، اپنی بے بسی، لاچاری، جہالت، اور شہروں سے دوری کے سبب، ان کے مسائل اور حالات کا نہ اخبارات والے اندازہ کر سکتے ہیں، نہ اجتماعات میں ان کی شرکت کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ادبا و مصنفین کو اتنی فرصت ہوتی ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور نہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے، ان کی درماندگی و ناداری، غربت و افلاس اور فقر و احتیاج کی صدائے بازگشت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنائی دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وسیع و عریض ملک کے کروڑہا عوام شب و روز بھوک و افلاس کی کلفتیں سہہ سہہ کر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد یہاں سے چل بستے ہیں۔ لہٰذا مسئلہ بے کاری کے حل کے ذرائع و وسائل میں بھی ترجیحی بنیادوں پر کام کرنا ضروری ہوگا۔

اس کے لئے لازمی ہے کہ بے کاری کے مسئلے کو اوپر سے نیچے کی طرف حل کرنے کی بجائے نیچے سے اوپر کی طرف حل کیا جائے۔ اس کی ابتداء دیہات سے ہو اور مسلسل قصبات سے شہر کی طرف حل ہوتا چلا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دقت جو موجودہ نظام صنعت کی وجہ سے حائل ہوگی وہ یہ ہے کہ روزگار کے ذرائع عام طور پر شہروں میں پائے جاتے ہیں، اس لئے دیہاتی سطح پر اس مسئلے کا حل مشکل ہے، لیکن ہمارے خیال میں شہروں کو ذرائع روزگار کا مرکز بنانا بذات خود مسئلے میں مزید پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ صنعتی مرکزوں اور کارخانوں میں کام کرنے کے لئے صنعت کار اور کارخانہ دار دیہاتی مزدوروں پر انحصار کرتا ہے جس کی وجہ سے لاتعداد دیہاتی اپنے گھر، ماحول، رشتہ اور بیوی بچے چھوڑ کر شہر کا رخ کرتے ہیں جس کی وجہ سے اگرچہ اسے زندہ رہنے کے لئے چند لقمے تو مل جاتے ہیں لیکن اس کی دیہات سے شہر کی طرف منتقلی جو نئے مسائل کو جنم دیتی ہے وہ دراصل اس کی پہلی حالت سے بھی بدتر ہے اس لئے خام مال اور مزدور کی فراہمی کی جگہ دیہات کی بجائے شہر کو ذرائع روزگار کا مرکز بنانا مسئلہ بے کاری کو مزید الجھانا ہے۔

اس سلسلے میں ہماری تجویز یہ ہے کہ ذرائع روزگار خود دیہات میں پیدا کئے جائیں۔ بے روزگار دیہاتی مزدور کے لئے شہری زندگی کے دوسرے مسائل پیدا کئے بغیر اسے دیہات میں روزگار مہیا کیا جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کام انتہائی مشکل، انوکھا اور بے مثال ہے، لیکن مسئلہ بے کاری کے انسداد کے لئے اس سے بہتر، اچھا اور قابل عمل کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ ہمیں اس تجویز کو پیش کرنے میں رہنمائی سنت رسولؐ اور عمل خلفاء راشدین سے ہوئی۔ زکوٰۃ کی وصولی کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے سرور کائنات صلعم کا ارشاد گرامی ہے: تؤخذ من اغنیائھم فترد علیٰ فقرائھم (صحیح بخاری، فتح الباری ۳ : ۲۳۱) زکوٰۃ خوشحال مسلمانوں سے لے کر ان کے محتاجوں اور تنگدستوں میں لوٹا دی جائے۔ علماء و فقہاء امت نے پہلے "ہم" کی ضمیر سے مراد وہ تونگر لئے ہیں جن سے ایک خاص علاقے سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور دوسرے "ہم" سے وہ محتاج و بے کار لوگ مراد لئے جو اس خاص علاقے میں پائے جائیں۔ ہمارے خیال میں حدیث میں "ہم" کی یہ شرح خود عمل رسول صلعم اور خلفاء راشدین کے طرز عمل پر مبنی ہے۔

ابن سیدالناس نے اپنی کتاب عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ پر ایسے بہت سے عرب قبائل کا ذکر کیا ہے جو نطاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زکوٰۃ کے اس طریق پر جمع و خرچ کرنے کی وجہ سے عہدِ رسالتؐ میں ہی خوشحال ہو گئے تھے۔ ابن سید الناس نے اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ آنحضرت صلعم ہر قبیلے میں اپنا ایک عامل مقرر فرما دیتے جو ہر قبیلے کے محتاجوں کی ایک فہرست تیار کرتا اور زکوٰۃ کے فنڈ سے اتنا دیتا کہ وہ بتدریج آسودہ و خوش حال ہونے لگتے، اور تھوڑے ہی عرصہ میں مستقل ذرائع معاش حاصل کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جمع و تقسیم زکوٰۃ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ رسالت ہی میں، اگرچہ آنحضرت صلعم کو تقسیم زکوٰۃ کا یہ طریقہ بالکل آخری ایام میں اپنانے کا موقع ملا، عرب قبائل میں جو آسودگی اور خوش حالی پیدا ہونے لگی، ہو سکتا ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کی وجہ سے فقر و احتیاج کو دور کرنے میں انتہائی قلیل عرصے میں جو زبردست کامیابی نصیب ہوئی، اسی کی وجہ سے عرب قبائل نے اپنی زکوٰۃ کا وہ قلیل حصہ بھی جو وہ اپنی مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد مرکز کو بھیجے تھے نہ بھیجنے پر اکسایا ہو۔ لیکن وہ بھول گئے کہ جس مرکز نے انہیں اتنی بڑی نعمت سے نوازا تھا اس کے ساتھ منسلک رہنے سے اتنے ہی اور کتنے بڑے فائدے حاصل ہو سکتے تھے جو یقیناً بعد میں حاصل ہوئے بھی، آنحضرت صلعم کے اس طریق کار کو خلفاء راشدین نے بڑی کامیابی کے ساتھ پوری اسلامی سلطنت میں نافذ کیا اور اس کے جو انتہائی مفید اور کامیاب نتائج قلیل ترین مدت میں زیادہ سے زیادہ بر آمد ہوئے تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

فتح یمن کے بعد تقریباً ۹ھ میں رسول اللہ صلعم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا، جنہیں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے وہاں مسلسل بحال رکھا۔ حضرت معاذؓ نے رسول اللہ صلعم کی ہدایات کے مطابق نظام زکوٰۃ کو یمن میں نافذ کیا اور نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے جو نتائج بر آمد ہوئے ہم مختصراً انہیں یہاں بیان کرتے ہیں تا معلوم ہو سکے کہ مسائل کو مسائل کی جگہ پر حل کرنا کتنا آسان اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا حضرت معاذؓ کو تقریباً ۹ھ میں یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح حضرت معاذؓ کو حضرت عمرؓ کے عہد تک تقریباً چار سال کا عرصہ ملا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان چار سالوں میں نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے کیا نتائج بر آمد ہوئے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا پہلا سال ختم ہونے پر اپنے علاقے سے جمع شدہ کل زکوٰۃ کا ایک تہائی حصہ مرکزی حکومت مدینہ کو بھیج دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ جو حقوق و فرائض کے سلسلے میں انتہا درجے کے محتاط انسان تھے، حضرت معاذؓ سے یوں گویا ہوئے:۔ میں نے تمہیں مال جمع کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لئے وہاں نہیں بھیجا بلکہ اس لئے تمہیں مامور کیا ہے کہ تم وہاں کے صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے وہاں کے محتاجوں کی فقر و احتیاج ختم کرنے پر صرف کر دو، اس پر حضرت معاذؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وضاحت کی اور کہا: میں نے جو کچھ آپ کے پاس بھیجا ہے، یہ [illegible] ہے جو [illegible] ں کی مقامی فقر و احتیاج کی ضروریات پوری کرنے کے بعد بچ رہا تھا۔ اور اسے وصول کرنے والا یہاں کوئی نہیں رہا۔

دوسرے سال کے اختتام پر حضرت معاذؓ نے یمن کی کل زکوٰۃ کا نصف حصہ بھیج دیا، جس پر حضرت عمرؓ نے پھر سے وضاحت طلب کی اور حضرت معاذؓ نے وہی جواب دیا۔ تیسرے سال حضرت معاذؓ نے پوری کی پوری جمع ہونے والی زکوٰۃ حضرت عمرؓ کے [illegible]س مرکز کو بھجوا [illegible]ی اور ساتھ ہی یہ بھی کہلوا بھیجا کہ "اب یہاں مجھے ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو اس زکوٰۃ کے مال کو لینے کا محتاج و مستحق ہو۔" (ابو عبیدؒ کتاب الاموال صد ۵۹۶ نمبر ۱۹۱۱) [illegible]ب انداز[illegible]ہ کیجئے کہ تقریباً سات سال کے قلیل عرصے میں نظام زکوٰۃ [illegible] پر مقامی طور پر عمل کرنے سے کیا نتائج برآمد ہوئے، اور اس نظام کی خوبیوں اور اچھائیوں میں اور بھی اضافہ ہو جا[illegible]ہے جب اس بات پر غور کیا جائے کہ یہ سب کچھ اس دور میں ممکن ہو سکا، جبکہ نہ موجودہ [illegible] کی وسیع پیمانے پر صنعت کا کوئی تصور تھا۔ زراعت و تجارت کی وہ سہولتیں میسر تھیں جو آج ہیں۔ حضرت معاذ کے [illegible] [illegible] [illegible] سمجھ [illegible] نہ ہو جا[illegible] کہ یہ واقعہ ان حالات میں منفرد حیثیت رکھتا ہے، ایسا نہیں بلکہ حضرت [illegible] کی خلا[illegible] کے ہر صوبے [illegible] یہی حال اور حضرت عمرؓ ہر عامل سے اسی احتیاط و سختی کے ساتھ دریافت فرماتے کہ کہیں انھوں نے ظلم و زیادتی سے میری خوشنودی کے لئے زکوٰۃ کی اتنی زائد رقم تو نہیں کمالی۔ تاریخ کی کتب اس بات کی شاہد ہیں کہ بحرین، شام، عراق، فلسطین وغیرہ تمام صوبوں سے زکوٰۃ و فئے کی رقوم اتنی بڑی اور بھاری تعداد میں مرکز کو بھیجی جاتی تھیں کہ حضرت عمرؓ انہیں دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نظام ہمہ گیر نظام تھا کی برکات کے نتیجے کے طور پر یہ ہر علاقے کے لوگ قلیل ترین مدت میں خوشحال اور آسودہ ہو گئے تھے۔ نظام ز[illegible] کی انہیں خوبیوں اور اس کے انہیں عملی، مفید و کارآمد نتائج کی روشنی میں، ہم نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اس د[illegible] بھی نظام زکوٰۃ کے قیام کی ابتدا ہر علاقے اور ہر قریہ سے ہو۔ اور بے کاری اور بے روزگاری کے مسئلے کا حل کیا جائے جہاں کا یہ مسئلہ ہے۔

اس کا طریق کار یہ ہے کہ ہر گاؤں اور ہر قصبے اور ہر شہر کی زکوٰۃ مقامی طور پر حکومت کی طرف سے د[illegible] کی جائے اور اس خاص علاقے کے بے کار اور بے روزگار لوگوں کے لئے ذریعہ معاش مہیا کیا جائے۔ دیہات میں ذ[illegible] معاش اور روزگار مہیا کرنے کا سب سے مؤثر اور قابل عمل طریقہ یہ ہے کہ وہاں کے مقامی زکوٰۃ فنڈ سے ا[illegible] صنعت قائم کی جائے جس کے لئے خام مال وہاں کا علاقہ خود پیدا کرتا ہو۔ یہ صنعت یا کارخانہ وہاں کے مقامی [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و بے کار اور بے روزگار لوگوں کی ملکیت ہو جس میں وہ لوگ خود مزدور ہوں، شروع شروع میں اس صنعت کو چلانے کے لئے حکومت کی طرف سے ماہرین مقرر کئے جائیں جو ایک طرف صنعت کو چلائیں اور ساتھ ساتھ ان صنعت کاروں کو خود کفیل ہونے کی تربیت دیں، کہ کچھ عرصہ بعد یہ لوگ خود ماہرین و مزدور کا کام کر سکیں اور اپنی صنعت کو مہارت و کامیابی کے ساتھ چلا سکیں۔

اس طریق کار سے یہ فوائد حاصل ہوں گے کہ تمام مزدور جو دراصل اس صنعت کے مالک ہوں گے انتہائی محنت و جانفشانی سے خلوص نیت اور دیانتداری کے ساتھ کام کریں گے، اپنی صنعت کی ترقی و خوش حالی کے لئے وہ کچھ کر کے دکھائیں گے جو دوسری جگہ محض مزدور کی حیثیت سے ان سے توقع نہیں کی جا سکتی محنت و مزدوری کی خاطر دیہات کے بے کار اور بے روزگار لوگوں کو نقلِ مکانی کر کے شہروں میں جا کر آباد نہیں ہونا پڑے گا اور نقل مکانی کے نتیجے میں جو بے شمار معاشرتی، معاشی، تمدنی اور دوسرے مسائل پیدا ہوتے ہیں، اور جن کا حل مزدور کی حیثیت میں ایک دیہاتی کے لئے ناممکن ہے۔ وہ پیدا نہیں ہوں گے۔

دیہاتی مزدور اپنے آبائی مکان میں اطمینان کے ساتھ رہے گا، نہ مکان کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا اور تازہ ہوا، کھلی فضا اور صحت بخش ماحول مفت میں نصیب ہوگا۔ نہ ذرائع آمد و رفت، بسوں، گاڑیوں وغیرہ کا کرایہ کا بار اٹھانا پڑے گا۔ دیہات میں رہ کر وہ انتہائی سستے داموں، نہایت عمدہ خالص اور سادہ ضروریاتِ زندگی خرید سکے گا جو اس کی صحت، جسم اور توانائی کے لئے انتہائی مفید اور کار آمد ہوں گی۔ شہر میں جا کر اپنی قلیل ترین آمدنی سے وہ گراں ترین ضروریاتِ زندگی خریدے گا، جو مضر صحت اجزا کی ملاوٹ کی وجہ سے اس کی صحت، جسم اور توانائی کو تباہ کر کے رکھ دیں گی اور وہ خود کسی مہلک مرض کا شکار ہو کر زندگی کا باقی حصہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر کسی وقت شہری زندگی کے نام پہ دم توڑ دے گا۔

دیہات سے شہر میں منتقل ہونے پر جب اسے پہلی دفعہ نقدی ہاتھ آتی ہے تو اپنی جہالت، کم عقلی اور ناواقفیت کی بنا پر شہری زندگی کے اس پہلو کا شکار ہو جاتا ہے، جو شہری زندگی کا انتہائی مہلک اور تباہ کن پہلو ہوتا ہے، وہ اپنی سادگی اور لاعلمی کی بنا پر اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور دوسرے لواحقین کے حقوق نظر انداز کر کے اپنی قلیل ترین آمدنی مسلسل شہری زندگی کے اس قبیح ترین پہلو کی بھٹی میں جھونکتا رہتا ہے۔ اور لگاتار اسی ڈگر پر چلتے چلتے انتہائی قابلِ رحم حالت میں دم توڑ دیتا ہے، دیہات میں رہ کر جو پیسہ اسے حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے وہ اپنی جائز ضروریات پر خرچ کر کے باقی ماندہ کو بچت میں ڈالتا جائے گا اور صنعت و حرفت سے واقف و متعارف ہو جانے کی بنا پر زیادہ منافع بخش کاموں پر لگانے کی فکر کرے گا۔

دیہات کے شہروں میں منتقل ہونے سے، جو مغربی صنعتی طریق کار کا لازمی جزو ہے جو مسائل شہر میں پیدا ہوتے ہیں، وہ کم ہو جائیں گے۔ جن مشرقی ممالک نے مغربی صنعتی طریق کار کو اپنایا ہے یا جو اپنانے کی فکر میں ہیں، انھوں نے اسے مکمل طور پر اپنانے کی دوڑ میں مغربی ممالک کے وہ مسائل بھی اپنا لئے جنہیں مغربی صنعتی زندگی کے تجربہ سے وہ بآسانی حل کر سکتے تھے۔ یعنی صنعت کو اس طریق پر ڈیزائن کرتے جس طریق کار کی تجویز ہم پیش کر رہے ہیں، ایسی صورت میں نہ شہروں میں ایک دم آبادی کا تناسب بڑھتا نہ مکانات کی قلت پیدا ہوتی نہ ذرائع آمد و رفت میں اتنی پیچیدگی رونما ہوتی۔

نظام زکوٰۃ کے تحت قائم ہونے والی مقامی طور پر صنعت کاری کا یہ طریق کار دوسرے بے پناہ بھی لائے گا، وہ یہ کہ صنعت کسی ایک بڑے شہر یا چند بڑے شہروں میں مرتکز ہونے کی بجائے پورے ملک اہم دیہات و قصبات میں پھیل جائے گی۔ صنعت کے اس پھیلاؤ سے قدرتی طور پر نقل و حرکت کے لئے آمد و رفت کی سہولتوں کا انتظام ہوگا۔ ہر علاقے کے لوگ اپنے اپنے علاقے میں بہتر سے بہتر راستے، بہتر بہتر سڑکیں، پختہ پل وغیرہ بنانے کی طرف غور کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پورے ملک میں سڑکوں اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کا نظام ترقی کرے گا اور لوگ آسانی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں آ گے، جس سے ملک کے لوگوں میں قومیت کا جذبہ فروغ پائے گا۔ علاقائی عصبیت کم ہوگی اور مختلف علا کے لوگ قومی نقطۂ نظر سے سوچنے کی طرف مائل ہوں گے۔ ہمارے خیال میں نظام زکوٰۃ کے اس طریق کار پر منصوبہ بندی کے تحت عمل کیا جائے تو دو پانچ پانچ سالہ منصوبہ بندیوں میں ہم ملک سے ختم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com